

# پکدر ہزاروں کا حوٹا

بہت جو سیونگ ہے اسے ٹھکانے لگائیں گے۔  
باسمہ نے اسے نروٹھے پن سے کہا تو پریشانی کے  
باوجود مطہر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ریگ گئی۔  
”آپ ہنس رہے ہیں؟“ باسمہ نے اسے  
صدے سے دیکھا اور احتجاجاً اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ  
سے چھڑا لیا۔

”اچھا! اب موڈ ٹھیک کرو اور محسن کو لے آؤ  
کمرے میں۔“ مطہر کہہ کر واش روم چلا گیا تو باسمہ  
بھی ٹھنڈی سانس بھر کر اٹھ گئی۔

☆☆☆

مطہر کے والد کا انتقال اس وقت ہوا جب مطہر  
دو سال کا اور اس کی بڑی بہن آئمہ پانچ سال کی تھی۔  
بیوگی کے بعد ناصرہ بیگم اپنے دونوں بچوں کو لے کر  
والدین کے پاس واپس آ گئیں۔ ان کے والدین  
حیات تھے۔ چار بھائی ان سے چھوٹے تھے۔ جن  
میں سے ایک شادی شدہ تھا۔ ایک کی شادی جلد متوقع  
تھی اور باقی دو ابھی زیر تعلیم تھے۔ والدین کا گھر  
خوب بڑا تھا۔ ابو کی پینشن بھی اچھی خاصی تھی۔ اوپر  
والے پورشن میں رہنے لگیں اور اپنا ذاتی گھر کرائے پر  
اٹھادیا۔ والدین، اپنے بہن بھائیوں کی مدد اور  
کرائے کی مد میں ملنے والی رقم سے اپنے اور بچوں  
کے اخراجات پورے کرنے لگیں۔ خود صرف میٹرک  
پاس تھیں سو کہیں نوکری وغیرہ نہیں کر سکتی تھیں۔ جب  
تک ابا زندہ رہے، ان کی پینشن کا بڑا حصہ دھڑلے  
سے لے لیتیں۔ بھائیوں سے بھی جتنا ہو سکتا مدد  
کرتے رہتے تھے۔ وقت گزرتا رہا۔

”یہ کیا بات ہوئی؟ ماما کو خود سوچنا چاہیے۔“  
باسمہ سخت غصے میں مگر آواز اور لہجہ دونوں دھیمے  
تھے۔ دھیمہ بولنا اس کی فطرت تھی۔ غصہ دلانے والی  
بات پر بھی اس کا لہجہ اور آواز دھیمے ہی رہتے مگر چہرہ  
احساسات کو ظاہر کر دیتا تھا۔

”کوئی بات نہیں باسمہ، ماما کی بات مان لیتے  
ہیں۔ ورنہ تمہیں معلوم ہی ہے اگلے سال باجی کے  
پاکستان آنے تک وہ اسی بات کو لے کر اپنا موڈ خراب  
رکھیں گی۔“ مطہر نے باسمہ کو ٹھنڈا کرنا چاہا۔ ”بس  
کردیں یار، آپ بھی۔“ باسمہ غصے سے رونے والی  
ہو گئی تھی۔

”کول ڈاؤن یار، کیوں اپنا خون جلا رہی ہو؟“  
مطہر نے اس کا ہاتھ تھما اور اسے لے کر صوفے پر بیٹھ  
گیا۔

”آپ خود دیکھیں، محسن کی پیدائش پر کتنا خرچا  
ہوا ہے۔ ہم دونوں کی تنخواہ ملا کر اس گھر کا کرایہ، بل  
اور گروسری بمشکل پورے ہوتے ہیں۔ اب یہ نئی  
فرمائش کہ باجی کو پورے پندرہ ہزار کا جوڑا دینا ہے۔  
تھو دینے والے کی مالی حیثیت کے مطابق ہونا  
چاہیے۔“ پریشانی سے اس کی آنکھوں میں آنسو  
آ گئے۔

”مت کرو ایسے باسمہ! ذہنی دباؤ کا شکار ہو کر  
بیمار ہو جاؤ گی۔ میں گرتا ہوں کچھ۔“ مطہر نے کہا۔  
اسے باسمہ بہت عزیز تھی۔ وہ اسے مزید پریشان  
ہوتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔  
”کیا کریں گے آپ؟ ادھار لیں گے یا تھوڑی





ناصرہ بیگم کے دونوں بچے پڑھنے لکھنے میں ہوشیار اور ذہین تھے۔ ناصرہ بیگم نے ان کی تعلیم و تربیت پر کوئی سمجھوتہ نہ کیا۔ ان کو اچھے تعلیمی اداروں میں تعلیم دلوائی۔ بیٹی سی ایس ایس کر کے اچھے عہدے پر فائز ہوئی۔ بیٹا انجینئرنگ کی ڈگری لے کر سول ایوی ایشن میں اچھی پوسٹ پر فائز ہو گیا۔ بیٹی اور بیٹے کی کمائی آنے لگی تو ناصرہ بیگم کے رنگ ڈھنگ بدل گئے۔ چاروں بھائیوں کو شادیوں کے بعد کشادہ گھر تنگ محسوس ہونے لگا تھا۔ والد اور والدہ کے بعد دیگرے وفات پا چکے تھے۔ سوانہوں نے جگہ کی تنگی کو بنیاد بنا کر اچھی اور مہنگی سوسائٹی میں کرائے کا گھر لے لیا اور یہاں کی بیگمات سے دوستیاں گانٹھ لیں۔ دوستیاں گانٹھیں تو ان کی ڈگر پر چل پڑیں۔ پارٹیاں، برینڈز، دکھاوا شوٹا..... آئندہ اگرچہ پڑھی لکھی اور اچھے عہدے پر بھی مگر وہ اپنی ماں کے زیر اثر تھی۔ ان ہی کی طرح شوٹا اور دکھاوے کی



شیدائی۔

آئمہ خوب صورت تھی اوپر سے سرکاری افسری کاروبار بہت سے اچھے گھرانوں نے اس کے لیے دست سوال دراز کیا۔ مگر ان کی ترجیح کوئی بہت امیر کبیر گھرانہ تھا۔

ماں بیٹی کی کوششوں سے آئمہ کی شادی مسز چغتائی کے لندن پلٹ ویل سیلڈ بزنس مین بھائی سے ہوگئی اور آئمہ بی بی سدھاری لندن، کچھ عرصے بعد میاں کے کہنے پر اسٹیفنی دیے دیا اور اب دو بچوں کے ساتھ لندن میں عیش کر رہی تھی۔ سال میں دو دفعہ لندن سے پاکستان ضرور آتی۔

☆☆☆

”پھر کب چلو گے تم دونوں میرے ساتھ آئمہ کا سوٹ لینے۔“ صبح ناشتے کی میز پر اسی بات سے آغاز ہوا جس پر پچھلی رات کھانے کی میز پر اختتام ہوا تھا۔ باسہ نے پہلو بدلا۔

”ماما! آپ جانتی ہیں پچھلے چھ مہینے سے ہمارا کتنا خرچا ہو رہا ہے۔ محسن کی پیدائش پر اس کے عقیقے پر ویسے جتنا خرچ ہوا تھا (آپ کے کہنے پر) پھر آپ کو سونے کا لاکٹ سیٹ دیا۔ دو پار کے ہر رشتے دار کو مٹھائی بھجوائی (زبردستی) ابھی تک ہم اسی چکر سے نہیں نکلے اور اب.....“ باسہ کی بات ابھی منہ میں ہی تھی کہ ناصرہ بیگم نے چیمبر زور سے پلیٹ میں پٹخا۔

”دیکھو بی بی! میں تمہیں تو کہہ ہی نہیں رہی، مطہر سے کہہ رہی ہوں۔ اور یہ جو باتیں تم مجھے بتا رہی ہو تو ہمارے ہاں ایسا ہی ہوتا ہے۔ عقیقہ کریں تو ایک زمانے کو پتا چلے اور رہ گئی بات آئمہ کو سونے کا لاکٹ سیٹ دینے کی تو بیٹیوں کو دیتے دلاتے رہنے سے ہی سسرال میں ان کی عزت برقرار رہتی ہے۔ اب ہر کوئی تمہارے ماں باپ جیسا تو ہوتا نہیں جو چار جوڑوں میں بیٹی رخصت کر دے اور پھر پلٹ کر خبر نہ لے۔“ ناصرہ بیگم کی بات پر باسہ نے شکایتی نظروں سے مطہر کو دیکھا۔ باسہ اور مطہر کی لو میرج تھی۔

”ماما! شام کو چلیں گے مارکیٹ اور جو سوٹ

آپ نے پسند کیا ہے، وہ لے لیں گے۔ اب میں اس بارے میں دوبارہ کوئی بحث نہ سنوں۔“ مطہر اپنی جائے ختم کر کے آفس جانے کے لیے تیار ہونے چلا گیا اور باسہ بے دلی سے ناشتا کرنے لگی۔ ہفتے کو اس کی آفس سے چھٹی ہوتی تھی۔ ناصرہ بیگم تسلی سے ناشتا کرنے لگیں۔

باسہ کا تعلق امیر اور خوش حال گھرانے سے تھا اور مطہر کا تعلق مل کلاس گھرانے سے تھا۔ ایک ہی جگہ کام کرتے تھے۔ پسندیدگی محبت میں بدلی تو دونوں نے ایک دوسرے سے شادی کا فیصلہ کر لیا۔

”باسہ! مطہر پڑھا لکھا، قابل اور محنتی جوان ہے مگر ابھی اسے پوری طرح سیٹل ہونے میں بہت محنت اور وقت کی ضرورت ہے اور تم والدین کی اکلوتی لاڈلی بیٹی ہو جس نے بھی مالی تنگی یا پریشانی نہیں دیکھی۔ سو بہتر ہے راستہ بدل لو۔“ باسہ کے والدین کی نظر میں یہ رشتہ بے جوڑ تھا۔

”ماما، پاپا! شادی تو مجھے یہیں کرنی ہے۔“ ”ٹھیک ہے کرو شادی لیکن پھر اسے نبھانا بھی ہے سمجھو تم اپنی سازی کشتیاں جلا کر جا رہی ہو۔“

بہت بار سمجھانے پر بھی جب باسہ اپنی بات یہ قائم رہی تو انہوں نے اپنی بات نہ ماننے کی پاداش میں بغیر کوئی جہیز، سلامی دیے حقیقتاً چار جوڑوں میں رخصت کر دیا۔

یہ بات ناصرہ بیگم کو بالکل ہضم نہ ہوئی جو مطہر کی پسند پر راضی ہی اس لیے ہوئی تھیں کہ اور کچھ نہیں تو کسی اچھی سوسائٹی میں ایک گھر تو جہیز میں مل ہی جائے گا اور کرائے کے گھر سے جان چھوٹ جائے گی۔ مگر ان کے خواب خواب ہی رہ گئے۔ لہذا اب جب موقع ملتا وہ اسے جتنی ضرورت تھی۔

☆☆☆

شام کو جوڑا لے کر آئیں تو بڑھ چڑھ کر اپنی تعریفیں کرنے لگیں جو خوش حال بیٹی پر بھی کھلے دل سے خرچ کرتی تھیں۔ باسہ نے خاموشی اختیار کر لی کہ درپردہ سنایا تو اسے ہی جارہا تھا۔ بہت سے ایسے



اخراجات تھے جنہیں کم کر کے اچھی خاصی بچت کی جاسکتی تھی مگر ناصرہ بیگم سے بات کرنا اپنی شامت بلوانا تھا۔

”مطہر! ہم لوگ کسی مڈل کلاس سوسائٹی میں گھر لے لیں تو اس سے آدھے کرائے میں اچھا گھر مل سکتا ہے۔ بلکہ آپ کا آبائی گھر بھی رہائش کے لیے اچھا خاصا ہے ہاں علاقہ ٹھوڑا لوئر مڈل کلاس ہے۔ اگر ہم وہاں شفٹ ہو جائیں تو تھوڑے عرصے میں ہم کسی اچھی جگہ اپنا ذاتی گھر بنا سکتے ہیں۔“ باسمہ کے سمجھانے پر مطہر نے ماں سے بات کی تھی۔

”نہیں بھئی، رہنا تو ہمیں یہیں ہے۔ بہن بہنوئی آیا کریں گے تو کیا سوچیں گے کہ کس گندے سے علاقے میں جا رہے ہیں ہم۔ اور رہی بات آبائی گھر کی تو اس کے کرائے سے ہی میں اپنے ذاتی اخراجات پورے کرتی ہوں۔ دوبارہ میں ایسی بات سنو بھی مت۔ کرائے سے جان جاتی ہے تو ذاتی گھر خرید لو یہاں۔ بلکہ اپنے سر سے کہو، ایک گھر تو لے کر دے ہی سکتے ہیں۔“

اس کے بعد باسمہ نے توبہ کی تھی۔ مشورہ بندہ وہاں دے جہاں کوئی قدر کرے۔ مطہر اور باسمہ کی شدید محنت کے باوجود اخراجات اور آمدنی میں فرق بڑھتا جا رہا تھا۔

☆☆☆

سوشادی کے تین سال گزرنے کے باوجود سب کچھ ویسے ہی چل رہا تھا۔ شادی کے تیسرے سال اللہ نے محسن کو ان کی گود میں ڈال کر انہیں صاحب اولاد کیا تھا۔

”لو بھئی! یہ جوڑا۔ جب تک ماں ہے نا تمہاری تب تک ہی ہے یہ سب بعد میں تو بھائی، بھابھی کی مرضی۔“ آئمہ کو جوڑا دیتے ہوئے بھی ناصرہ بیگم طعنہ دینا نہ بھولی تھیں۔

”ماما! سلوا بھی دیجیے گا پلیز۔“ آئمہ نے جوڑے کو ہاتھ لگائے بغیر ماں سے کہا۔ جوڑا سل کر آگیا۔ باسمہ آفس سے تھکی ہاری

لوٹی تو دیکھا آئمہ وہی جوڑا پہنے لاؤنج میں بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی۔ چہرے پر چمک، سکون اور بے فکری تھی۔ باسمہ سلام کر کے محسن کو لے کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ محسن اس کے ساتھ ہی جاتا تھا۔ آفس میں ڈے کیئر کی سہولت تھی۔

آئمہ پندرہ دن کے لیے آئی تھی۔ اگلی اتوار کی رات اس کی واپسی کی فلائٹ تھی۔ آج صبح وہ بچوں کو لے کر اپنی سرال چلی گئی تھی۔ وہیں سے اس نے واپس چلے جانا تھا۔

ہفتے کو ناصرہ بیگم نے بیٹی کو خدا حافظ کہنے کا پروگرام بنایا۔ مطہر اور باسمہ کو ساتھ لے کر آئمہ کے سرال جا پہنچیں۔ جہاں اس کا سامان پیک کیا رکھا تھا۔ کچھ چیزیں ہنوز پیکنگ کے مراحل میں تھیں۔ آئمہ کی ساس کے لیے بھی ناصرہ بیگم گرم شال اور مٹھائی لائی تھیں۔ شام گئے مطہر، باسمہ اور ناصرہ بیگم واپسی کے لیے اٹھے۔

”امی! یہ دیکھیں، آئمہ باجی نے یہ کتنا سارا سامان دیا ہے۔“

”ہاں۔ ہر فحہ جاتے ہوئے کتنا سامان یہیں بانٹ جاتی ہیں۔ بہت بڑا دل ہے ان کا۔“

”آئمہ باجی نے یہ سوٹ بھی مجھے دیا ہے۔ بالکل نیا ہے۔ ہائے اللہ اتنا پیارا ہے۔“

وہ گیٹ کے پاس پہنچے تو آئمہ کے گھر کام کرنے والی رانی کی آواز پر مڑ کر دیکھنے لگے جو لان کی میز پر کچھ سامان رکھے اپنی ماں سے مخاطب تھی۔ اس کے ہاتھ میں آئمہ کو دیا جانے والا ”پندرہ ہزار کا جوڑا“ تھا جسے آئمہ نے ایک بار پہن کر نوکرائی کے حوالے کر دیا تھا۔ باسمہ اور مطہر نے بیک وقت ناصرہ بیگم کو دیکھا جو یوں ہو گئیں جیسے کچھ دیکھا یا سنا نہ ہو۔

”چلو جلدی، یہاں کیا جم کر کھڑے ہو گئے ہو۔“ باسمہ اور مطہر سے کہہ کر وہ آرام سے گیٹ سے باہر نکل گئیں۔

☆☆